خوشبو کی دستک

شازیہ فاروق

پاکستانی پوائنٹ ڈاٹ کام

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔

www.pakistanipoint.com

خوشبو کی دستک

شازیہ فاروق

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔

www.pakistanipoint.com

خوشبو کی دستک

کتابی شکل : پاکستانی پوائنٹ ڈاٹ کام

پاکستانی پوائنٹ کوئی تجارتی ویب سائٹ نہیں ہے یہاں پر موجود ناولز بالکل مفت ہیں۔اس مشن کا مقصد صرف اردو ادب کی خدمت کرنا ہے تاکہ جو لوگ وطن سے دور ہیں اور اردو کتب حاصل نہیں کر سکتے، وہ یہاں سے ڈاؤنلوڈ کر لیں۔اگر آپ اردو لکھنا جانتے ہیں تو آپ بھی روز کا ایک صفحہ کمپوز کر کے اس مشن کا حصہ بن سکتے ہیں۔مزید معلومات کے لئے، سپر موڈز:صبا گل، تتلی ، ٹیم لیڈر:ایم وائی صائم ، مینجمنٹ:وقار یا ایکسٹو سے رابطہ کریں، شکریہ

"آپ ایک گھنٹے سے زیادہ لیٹ ہوچکے ہیں... بے نیازی تو دیکھیے آئینے کے سامنے سے ہٹنے کا نام نہیں... زلفیں سنواری جارہی ہیں یا بگاڑی کچھ پتا ہی نہیں چل رہا۔"

'ڈونٹ وری بیگم... میں سنبھال لوں گا۔" ہیر برش کو بے پروائی سے بیڈ پر اچھالتے ہوئے شہباز نے اس کے کاموں میں اور اضافہ کردیا۔

'ہاں وہ تو میں بخوبی جانتی ہوں کن کن جگہوں پر آپ نے کیا کچھ سنبھالا ہے۔" زرگل اس کے پچھلے کارناموں کو ذہن میں لاتے ہوئے اسے ملامت بھری نظروں سے گھورنے لگی۔شہباز ڈھٹائی سے مسکرادیا۔

'جانے دو... ماضی کو کیا یاد کرنا... اچھا میں چلتا ہوں۔" شہباز چلا گیا اور زرگل سوچتی رہ گئی کہ لیٹ ہوجانے پر آج وہ کون سا بہانہ گھڑے گا۔زرگل اس کی اس عادت پر کڑھتی پھر سے کام میں لگ گئی۔

☆☆☆☆☆☆

’’مسٹر شہباز آپ کو آخر کیا مسئلہ ہے... ہفتے کے چار دن لیٹ آتے ہیں اور باقی کے دن آپ کو کوئی نہ کوئی کام ہوتا ہے... آپ چھٹی کرلیں۔گھر میں بیٹھ کر وقت گزاریں۔‘‘ آج باس بھی خاصے جھنجھلائے ہوئے تھے اور اسے فارغ کرنے کی تیاری کیے بیٹھے تھے۔

’’سر میری وائف کا گھٹنا فریکچر ہوگیا ہے۔کام کاج مجھ اکیلے کو کرنا پڑتا ہے۔اس لیے دیر ہوگئی۔‘‘ چہرے پر حد درجہ مسکینیت سجائے شہباز نے لاچاری سے جواب دیا تو باس کے تنے ہوئے چہرے پر لمحوں میں نرمی آگئی۔

’’اوہ... سوری مجھے پتا نہیں تھا۔‘‘ باس اپنی جگہ پر شرمندہ ہوکر رہ گئے۔

’’اٹس اوکے سر... میں جاؤں؟‘‘ شہباز نے مکمل اداکاری کی۔

’’ہاں... جاؤ۔‘‘ شہباز دل ہی دل میں باس کے بے وقوف بننے پر مسکراتے اپنے روم میں چلا گیا۔

’’مسٹر دانیال...!‘‘ فائل پر دستخط کرتے باس کی آواز پر دانیال ہمہ تن گوش ہوا۔

’’مسٹر شہباز کے گھر کا ٹیلی فون نمبر ہوگا آپ کے پاس؟‘‘

’’خیریت سر...‘‘ دانیال سمجھ گیا کہ باس شہباز کے کسی جھوٹ پر زیر اثر اس سے اس کے گھر کا نمبر پوچھ رہے ہیں۔آخر دوست تھا اس کا اس کی اس عادت سے اچھی طرح واقف تھا۔

’’ہاں... وہ شہباز کی وائف کا گھٹنا فریکچر ہوگیا ہے۔دو تین پارٹیز میں‘ میں ان سے مل چکا ہوں۔ایک بہن کی طرح عزیز لگیں مجھے۔اس لیے عیادت کرنا چاہ رہا تھا۔‘‘ باس کے بھولے پن پر دانیال شہباز پر اندر ہی اندر غصہ ہورہا تھا۔

’’سر میرے پاس اس کے گھر کا نمبر تھا مگر میں آج اپنا والٹ گھر پر بھول آیا ہوں۔موبائل بھی گھر پر رہ گیا... آپ کہیں تو میں شہباز سے نمبر پوچھ لوں؟‘‘ شہباز کے جھوٹ پر ایک اور جھوٹ پر دہ ڈالنے کے لیے بولا گیا ورنہ دانیال کو تو زبانی یاد تھا شہباز کے گھر کا نمبر... کبھی کبھار دوستی کا بھرم اسی طرح رکھنا پڑتا ہے۔باس کے جاتے ہی دانیال اس کے کمرے میں چلا آیا۔

’’کبھی بیوی کو سیڑھیوں سے گرا دیتے ہو۔کبھی اس کا ہاتھ جلا دیتے ہو اور کبھی اس کی ہڈیاں فریکچر کرا دیتے ہو... کیا بات ہے تمہیں شرم نہیں آتی۔‘‘ دانیال نے سارا غصہ اس پر اتارتے ملامتی انداز اپنایا۔

’’آتی ہے... پر کیا کیا جاسکتا ہے؟ زندگی کے ان راستوں پر جھوٹ ایسا ہتھیار ہے جو کبھی بھی مشکل میں پھنسنے نہیں دیتا۔صاف گوئی ہمیشہ ہی پیچھے رہی ہے جھوٹ کے سامنے۔‘‘ شہباز کی مسکراہٹ گہری ہوگئی۔

’’تمہارا نظریہ بدل نہیں سکتا؟ جھوٹ پر جھوٹ بولتے ہوئے تمہاری زبان لڑکھڑاتی نہیں، صاف گوئی، ایمان داری کی بہترین نشانی ہے اور تم نے تو کبھی محسوس ہی نہیں کیا کہ ایمان کی لذت کیا ہوتی ہے؟‘‘ دانیال نے ہمیشہ کی طرح اسے لتاڑا تھا جسے اس کی ان باتوں سے کبھی دلچسپی نہیں تھی۔اپنی زندگی کے ہر موڑ پر جھوٹ کو سہارا بنانے والا شہباز اس کی ان باتوں پر صرف ہنس سکتا تھا۔ عمل کرنے کا کبھی سوچا ہی نہ تھا۔

’’ہنسو... ایک دن برے پھنسو گے۔‘‘ اس کے مسکراتے لب دانیال کے اندر تک آگ لگا گئے۔

’’زندگی جھوٹ کے بغیر پھیکے بدمزا سالن کی طرح ہے، ایمان اور ایمان داری گئے وقتوں کا حصہ تھی، یہاں صرف لوٹ مار، قتل وغارت گری، جھوٹ ہی چلتا ہے۔سچ ہر جگہ مشکل کا شکار نظر آتا ہے، جھوٹ آرام سے بچ جاتا ہے۔‘‘ شہباز خود سے ہم کلام ہوتا تصور میں دانیال کو سمجھانے لگا۔جس کو اس کی اس

عادت سے اچھی خاصی چڑ تھی، اس چڑ کا اظہار بھی وقتاً فوقتاً کیا جاتا مگر شہباز پر اثر کہاں ہوتا تھا۔شہباز اس جھوٹ کو پیچھے چھوڑتا ہمیشہ کی طرح آگے بڑھ گیا۔ مگر اس کے باس شاید نہیں بھولے تھے تبھی ایک دن بنا بتائے اس کے گھر چلے آئے بیل کی آواز پر زرگل کو کچن میں مصروف دیکھ کر خود دروازہ کھولنے چلا آیا، گیٹ کے عین درمیان میں بنے چھوٹے سے سوراخ سے نو وارد کو دیکھنا نہ بھولا۔

'' 'باس...'' حیرت سے پھٹی آنکھوں کو مل کر پھر سے شہباز نے اس سوراخ سے دیکھا اور اس بار اسے یقین کرنا ہی پڑا کہ آنے والا شخص اور اس کے ساتھ عورت اس کے باس کی بیوی ہے۔

دماغ کے گھوڑے سرپٹ پیچھے دوڑنے لگے اور بولے گئے جھوٹے الفاظ ذہن میں چلنے لگے۔تیزی سے چلتے دماغ کو ایک دم بریک لگے۔

'' 'میری بات غور سے سنو! باس اور ان کی بیوی تمہاری عیادت کو آئے ہیں۔'' کام کرتے زرگل کے ہاتھ تھم گئے۔

'' 'مجھے کیا ہوا ہے؟'' حیرت وپریشانی سے شہباز کو دیکھ کر زرگل نے سوال پوچھا۔جو اب بڑی عجلت میں اسے کچن سے باہر لا کر کمرے کی طرف لیے جارہا تھا۔

'گھٹنا فریکچر ہوا ہے۔'' بیڈ پر بٹھا کر جلدی سے کمبل درست کرتا وہ تیزی سے واپس پلٹ گیا۔

'میرا... گھٹنا... فریکچر... اوہ خدایا۔'' زرگل کو جب تک ساری بات سمجھ آئی تب تک شہباز ان دونوں کو کمرے میں لاچکا تھا۔

'اوہو! آپ تو اپنا بالکل دھیان نہیں رکھ رہیں۔دو ہفتوں سے بیڈ پر ہیں کچھ ہمت سے کام لیں اور تھوڑا چلا پھرا کریں۔اس طرح تو آپ کی صحت سخت متاثر ہوگی۔'' باس کی بیوی کا ہمدرد لہجہ زرگل کو شرمندہ کرگیا۔

'جی ضرور...'' گلے سے پھنسی پھنسی آواز نکلی، آنسوؤں کا گولہ سا حلق میں پھنس گیا۔زہرخند سی نظر لاچار بنے شہباز پر ڈال کر پھیکی ہنسی ہنس دی۔

'آپ کو اگر تکلیف ہو تو شہباز آفس سے لیو لے لیں۔'' بیڈ کے پاس بڑے سنگل صوفے پر بیٹھے باس کی آواز میں تفکر محسوس کرکے زرگل اور شرمندہ ہوگئی۔سیدھے سادے لوگ شہباز کے ہاتھوں بے وقوف بن گئے تھے۔

'نہیں اس کی ضرورت نہیں۔بچے ہیلپ کرادیتے ہیں۔'' شہباز سے پہلے زرگل بول پڑی کہ کہیں واقعی شہباز آفس سے کچھ دنوں کی چھٹی ہی نہ کر لے۔

'کہاں ہیں بھئی تمہارے بیٹے؟'' باس نے خاصا خوش گوار انداز اپنایا۔

''وہ ٹیوشن پڑھنے گئے ہیں۔'' شہباز نے نہایت عاجزانہ انداز اپنا کر جواب دیا۔

''اچھا... ہم چلتے ہیں۔آپ اپنا خیال رکھیے اور ڈاکٹر سے مسلسل چیک اپ کراتی رہیے۔'' باس نے شفقت سے زرگل کے سر پر ہاتھ رکھا تو ناچاہتے ہوئے بھی دو آنسو آنکھوں سے نکل آئے جنہیں سر جھکا کر ہاتھوں کی پشت سے صاف کرلیا۔

''ارے بیٹھیے نا سر! میں چائے بنا کر'' ...

''رہنے دو بھئی' میری چھوٹی بہن کو کبھی تکلیف نہ دینا ورنہ تمہاری نوکری سمجھو گئی۔'' باس نے ہلکے پھلکے انداز میں کہا تھا مگر زرگل کو لگا کہ جیسے ان کے الفاظ اس کو نشتر بن کر لگے ہوں۔

باس اور ان کی بیوی کو باہر تک چھوڑنے کے بعد وہ دل ہی دل میں اللہ کا شکر ادا کرتا واپس پلٹا۔

اگر باس یا ان کی بیوی زخم دیکھنے کے لیے اصرار کرتے تو وہ کیا کرتا؟ یہ سوچ اسے کپکپانے پر مجبور کر گئی مگر اگلے چند لمحوں میں اس سچویشن سے باہر نکلنے پر محسوس کی جانے والی خوشی غالب آگئی۔

’’یہ کیا کررہی ہو؟‘‘ دروازے کے عین وسط میں پاس کے دیے گئے تازہ پھولوں کا بکے نہایت ہی بری حالت میں بکھرا پڑا تھا۔زرگل کو اپنے کپڑے سوٹ کیس میں ڈالتے دیکھ کر شہباز صحیح معنوں میں بوکھلا گیا، تیزی سے آگے بڑھتے ہوئے استفسار کیا۔

’’تمہارے اس جھوٹ گھر کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے چھوڑکر جارہی ہوں۔‘‘ کپڑے پیک کرتے ہی الماری سے چادر نکال کر اوڑھتی زرگل نے درشتی سے جواب دیا۔

’’واٹ...‘‘ شہباز اپنے آپ کو آندھیوں کے زیر اثر محسوس کرنے لگا آناً فاناً اس کے گھر کی رونق ماند پڑجاتی، اسے کچھ کرنا تھا۔

’’پلیز زرگل مجھے معاف کردو۔‘‘ سوٹ کیس اٹھائے صحن کی طرف بڑھتی زرگل کا بازو شہباز نے تھامنا چاہا جسے ایک ہی جھٹکے میں چھڑالیا۔

’’زرگل... پلیز...‘‘ شہباز کے الفاظ کا اثر زرگل پر قطعی نہ ہوا اور وہ داخلی دروازے تک پہنچ گئی۔

’’تم جو سزا دوگی وہ مجھے منظور ہوگی۔‘‘ زرگل کا ایک قدم دہلیز کے باہر تھا اور دوسرا اندر۔شہباز کی آخری کوشش کامیاب ہوگئی اور باہر نکالا گیا قدم پھر سے اندر آگیا۔

’’تم جھوٹ بولنا چھوڑ سکتے ہو؟‘‘ شہباز تو جذبات کی رو میں زرگل کو روکنے کی تدبیر کررہا تھا۔اسے کہاں خبر تھی زرگل اسے ایسا کچھ کہے گی۔

’’نہیں چھوڑ سکتے ناں...؟‘‘ زرگل نے کہتے ہی قدم پھر سے باہر نکالا۔شہباز کی حالت عجیب ہوگئی، زندگی نے عجیب دوراہے پر لاکھڑا کیا تھا۔ایک طرف جھوٹ تھا جس کے سہارے بقول اس کے زندگی میں تڑکا وچسکا تھا، رونق تھی تو دوسری طرف زندگی کا حاصل اس کی محبت زرگل تھی۔وہ زرگل جسے پانے کے لیے کیا کیا پاپڑ بیلنے پڑے تھے یہ صرف وہی جانتا تھا۔

شادی کے بعد شہباز کے والدین اور اس کے بھائیوں نے شہباز کو صاف لفظوں میں کہہ دیا کہ وہ اس کی بیوی کا وجود اس گھر میں برداشت نہیں کرسکتے لہٰذا شہباز گھر چھوڑ کر چلا جائے۔شہباز نے گھر چھوڑ دیا۔اپنوں کی محبتوں کی محرومی زرگل کی محبت سے کم ہونے لگی مگر اس اچانک لگنے والے جھٹکے نے اسے بری طرح متاثر کیا۔وہ کہاں سوچ سکتا تھا کہ اس کے ماں باپ، بھائی اور بھابیاں اسے یوں ایک لمحے میں خود سے دور کردیں گے۔جیسے کپڑوں پر لگی گرد ہو، ایک ہی جھٹکے سے صاف ہوگئی۔بس یہیں سے اس کی ذات نے نیا طریقہ، نیا راستہ دریافت کیا، ایسا راستہ جو اسے تسکین دیتا، اسے مسرور رکھتا، اسے جینے سے، جینے

کے بعد مرنے سے کوئی غرض نہ رہی، جھوٹ، جھوٹ اور صرف جھوٹ اس کی ذات کا محور بنتا گیا اور وہ سب کچھ بھولتا گیا۔

آج زرگل اگر چلی جاتی تو یقینا جھوٹ جیت جاتا اور اس کی محبت ہار جاتی، اس کے پاس صرف چند لمحے تھے اپنی خوشیاں بچانے کے لیے۔

''میں جھوٹ بولنا چھوڑ دوں گا۔'' زرگل الٹے قدموں پلٹی اور بے یقینی سے بکھرے بکھرے شہباز کو دیکھا۔

''آپ سچ کہہ رہے ہیں؟'' زرگل کو کہاں یقین آنے والا تھا۔تصدیق کرنے کو پوچھا، شہباز زخمی مسکراہٹ لبوں پر سجا کر سر ہلا گیا۔

''تمہارے سوا میرا ہے ہی کون؟ وعدہ کرو کبھی چھوڑ کر نہیں جاؤ گی۔''

صحن کے عین درمیان میں ہاتھ پھیلائے شہباز امید بھری نظروں سے تک رہا تھا۔زرگل نے یہ فاصلہ ہوا کی سی پھرتی سے طے کیا۔

''میرے سوا اور بھی ذات ہے جسے آپ بھولنے لگے ہیں مگر وہ ذات آپ کو کبھی نہیں بھولی۔'' شہباز کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دیتے ہوئے زرگل نے مصنوعی خفگی سے کہا تو شہباز نا سمجھی سے اسے دیکھنے لگا جیسے اس کی ذہنی حالت پر اسے شبہ ہو۔

''اللہ... آپ کے ساتھ ہر لمحہ اللہ کی ذات ہے، رہے گی۔آپ اس کے احکامات کی پیروی کریں یا نہ کریں، اسے چھوڑدیں یا بھول جائیں... کبھی بھی کسی بھی لمحے اسے بھولے سے بھی پکاریں گے تو وہ ذات آپ کو تنہا نہیں چھوڑے گی... میں رہوں یا نہ رہوں اللہ کی ذات آپ کو رحمتوں اور رعنائیوں سے نوازتی رہے گی۔'' زرگل کی پلکوں پر پانی کے ننھے سے قطرے ٹک گئے۔

''اوہ... تم تو باقاعدہ رونے لگی۔'' شہباز ان الفاظ کی چاشنی میں مزید کھویا رہتا۔اگر نظریں زرگل کی پلکوں پر نہ پڑتیں تو۔

''اوکے... اوکے میں اللہ کو نہیں بھولوں گا... مصلحتاً اور... کبھی کبھار جھوٹ... بھی... بول لیا کروں گا۔''

''آپ نہیں سدھریں گے...'' زرگل کی مسکراہٹ بے ساختہ تھی۔

''اگر یہ مسکراہٹ کبھی لبوں سے جدا ہوگئی تو میں جی ہی نہیں پاؤں گا۔'' خود سے عہد کرتے ہوئے دل ہی دل میں شہباز نے سوچا۔زرگل مطمئن سی ہوگئی اور مسکرانے لگی۔

''کچھ... جل رہا ہے...'' عجیب سی بو شہباز کے نتھنوں سے ٹکرائی۔

''اوہ...!'' زرگل شہباز سے الگ ہوکر سرپٹ کچن کی طرف دوڑی مگر تب تک دیر ہوچکی تھی، گوشت جل چکا تھا۔

''آپ کے جھوٹ کی نذر ہوگیا۔'' زرگل کے ماتھے پر پڑے بل شہباز کو حیرتوں میں ڈال گئے۔

''او میڈم! میں نے کہا تھا تمہیں کپڑے پیک کرو، میں نے تمہیں کہا تھا کہ آنسو بہا بہا کر میری شرٹ کا حلیہ بگاڑ دو۔''

''شرٹ پر افسوس بعد میں کیجیے گا پہلے کچھ کھانے کا بندوبست کریں بچے آتے ہی ہوں گے۔'' زرگل نے شہباز کی توجہ بچوں کی طرف دلائی تو اسے بھی سنجیدگی سے سوچنا پڑا اور بالآخر وہ ہوٹل سے کھانا لینے چلا گیا۔

ایک آسودہ سی مسکراہٹ نے زرگل کے لبوں کا احاطہ کرلیا، آخر کار اس کے شوہر نے جھوٹ کو چھوڑدیا تھا، برتن سمیٹ کر دھوتے ہوئے وہ سوچ رہی تھی کہ عشاء کی نماز پڑھ کر شکرانے کے نوافل ضرور پڑھے گی، اللہ کا شکر ادا کرنا فرض ہے۔یہ فرض وہ نوافل کی صورت میں ادا کرنا چاہتی تھی۔

''یا تو آج سورج غلط سمت سے نکلا ہے یا پھر کوئی اور معاملہ ہے۔'' دانیال مقررہ وقت سے ذرا پہلے شہباز کو آفس میں آتا دیکھ کر اس کے کمرے میں چلا آیا۔

''تمہیں جو سوچنا ہے سوچو... میرا موڈ پہلے ہی بہت خراب ہے اپنی بے تکی باتوں کو پھر کبھی کے لیے اٹھا رکھو۔'' شہباز اتنی صبح آفس کبھی آیا ہی نہ تھا سو

دانیال کیا جس کسی نے بھی دیکھا حیرت کا اظہار کیے بنا نہ رہا، پہلے سے کوفت بھرے چہرے پر ڈھیلے ڈھالے تھکن کے بھرپور تاثرات جم کر رہ گئے۔

اور پھر یہ سب روز ہونے لگا۔شہباز عام سی سیدھی سادی اس زندگی سے اکتانے لگا۔دل ودماغ میں عجیب سی ہلچل مچی ہوئی تھی۔دل بار بار اس کے اس فیصلے پر پچھتاؤں میں گھر جاتا اور وہ پہلے سے زیادہ اداس وپریشان ہوجاتا۔زرگل تو آج کل جیسے ہواؤں میں اڑتی پھر رہی تھی۔شہباز نے اس کی خاطر، اس کی محبت میں آکر اسے جو مان بخشا تھا وہ الگ سرور بخشتا۔بچوں کی شرارتوں پر تنے ہوئے چہرے پر ایک دم ہنسی بکھر جاتی، دونوں بیٹے ماں کی اس بدلی بدلی سی کیفیت کو دیکھ کر خوش تھے۔

شہباز کی روٹین لائف چینج ہوکر رہ گئی، سارا دن عجیب سی بے چینی محسوس ہوتی رہتی، جمائیاں لیتے مارے باندھے وہ سچ کی ڈگر پر شام تک ٹکا رہتا جیسے ذرا سی چوک ہوئی تو لب گستاخی کر ڈالیں گے۔دل کسی بھی حالت میں یہ ماننے کو تیار نہ ہوتا کہ وہ خود کو بدل ڈالے، فریب کی رنگینیاں بے کل کرنے لگتیں تو وہ چڑچڑاہٹ کا شکار ہوجاتا، کسی پر بھی غصہ اتار دیتا، عادتیں بدلنا اتنا آسان نہیں تھا جتنا جذبات میں آکر اس نے سوچا تھا۔

’’جھوٹ... کبھی یہ کسی وجہ سے بولا جاتا ہے تو کبھی کسی وجہ سے... وجہ جو بھی ہو خالق دو جہاں کے دربار میں اس کی سزا ملنی ہے اور مل کر رہے گی۔‘‘ شہباز بچوں کے اصرار کرنے پر فجر کی نماز پڑھ کر خلاف معمول مولوی صاحب کا درس سننے بیٹھ گیا۔موضوع گفتگو جھوٹ ہونے کے سبب کھلے کھلے سے چہرے پر چند لمحوں میں اداس تاثرات بکھر گئے۔

’’حضرت ابو موسی اشعریؓ سے روایت ہے کہ حضرت محمد ﷺ نے فرمایا: کیا میں تمہیں اہل دوزخ کی نشانیاں نہ بتاؤں؟‘‘

’’عرض کیا کیوں نہیں۔‘‘

’’تو آپ ﷺ نے فرمایا، وہ جھوٹ بولنے والے اللہ کی رحمت سے مایوس ہونے والے اور تکلف کرنے والے ہیں۔‘‘

’’آج اگر ہم خود کو ٹٹولیں تو خود سے ہی نظریں چرا جائیں، ہم آج سدھر سکتے ہیں کل کس نے دیکھا ہے؟‘‘ مولوی صاحب کی باتیں سن کر شہباز پہلو بدل کر رہ گیا۔حقیقت کا شفاف آئینہ اس کے کردار کو داغدار کر گیا۔

’’جھوٹ کے متعلق مشہور واقعہ بھی ہے کہ ایک شخص میں بہت سی برائیاں تھیں، وہ ایک کو چھوڑنا چاہتا تھا، آپ ﷺ نے اسے جھوٹ نہ بولنے کے لیے کہا، وہ باقی برائیاں بھی کرنے سے باز آگیا۔وہ جو بھی برائی کرنا چاہتا یہ خیال

اسے نہ کرنے دیتا کہ آپ ﷺ پوچھیں گے تو کیا جواب دوں گا۔" مولوی صاحب کی باتیں شہباز کو ہضم ہی نہیں ہورہی تھیں، آنکھوں کے اشارے سے بیٹوں کو اٹھنے کا اشارہ کیا تو وہ ٹس سے مس نہ ہوئے۔

' 'ہمیں پتا ہوتا ہے کہ فلاں کام شریعت میں ناجائز ہے، اس کے کرنے سے ہم آخرت میں رسوا ہوں گے۔ناجائز ہے تو ہوا کرے، ممنوع ہے تو دیکھیں گے ہر کام کرکے چھوڑیں گے... سوچ کو پستیوں میں دھکیل کر ہم سینہ چوڑا کرکے چلتے ہیں... وقت گزر جائے تو بھی اللہ نے رعایت رکھی ہے، توبہ کی رعایت، معافی کی رعایت، گناہوں پر پردہ ڈالنے کی رعایت... کیا ہم اس رعایت کو پانے کا جذبہ رکھتے ہیں؟ کچھ آخرت کے لیے بھی کرنا چاہتے ہیں؟ تجارت، منافع، کامیابی دنیا میں ہر کسی کو مل سکتی ہے۔اصل کامیابی تو آخرت میں سرخرو ہونے پر ملے گی، ہم اصل کامیابی کے لیے کوئی جدوجہد ہی نہیں کرتے۔بھلا ایسا کبھی ہوا ہے کہ بنا محنت کے کچھ ملا ہو، دنیا کو سکون سے گزارنے کے لیے زندگی مٹی میں مل جاتی ہے اور آخرت کو سرخروئی بخشنے کے لیے ہمارے پاس وقت ہی نہیں... دعا ہے رب جلیل سے کہ عالم اسلام کو ترقیوں سے ہمکنار کرے، ہمیں آخرت سدھارنے کی توفیق بخشے' آمین۔"

صبح کی شروعات ایسے انکشافات کے ساتھ ہوئی کہ شہباز کا سارا دن بور گزرا۔ مولوی صاحب کی باتیں دماغ میں گونج کر اسے مزید چڑچڑاہٹ میں مبتلا کر گئیں اور حد تو تب ہوئی جب اس کے دونوں بیٹوں نے زرگل سے رات کو جھوٹ کے متعلق مزید کچھ بتانے پر اصرار کیا، شہباز اندر ہی اندر پیچ و تاب کھا کر رہ گیا۔

حضرت سمرہ بن جندبؓ کا بیان ہے کہ آپ ﷺ اکثر اپنے اصحاب سے دریافت فرمایا کرتے تھے۔ ’کیا تم میں سے کسی نے کوئی خواب دیکھا ہے؟‘ ‘

’ ’ایک دن آپ ﷺ نے ازخود بیان کرنا شروع کیا کہ آج رات کو میرے پاس دو آدمی آئے اور مجھ کو بیت المقدس کی طرف لے گئے۔“

’ ’ماما خواب سچے ہوتے ہیں؟“ زرگل کے بڑے بیٹے عمیر نے جلدی سے بات کاٹی تو زرگل مسکرادی۔

’ ’جی ہاں انبیاء کا خواب سچا ہوتا ہے اور واقعہ کے مطابق ہوتا ہے۔حدیث میں فرمایا گیا کہ ان کے ساتھ عذاب کا برتاؤ قیامت تک رہے گا اس سے ظاہر ہے کے برزخ کے واقعات ہیں… میں آپ لوگوں کو صرف جھوٹے لوگوں کے متعلق بتانے والی ہوں۔باقی کا خواب نہیں بتاؤں گی کیونکہ ٹائم کافی ہوجائے گا۔“ اب کی بار زرگل نے خاص طور پر شہباز کو مخاطب کر کے کہا تھا۔

''ہنہ! ہر کسی کو یہی موضوع ملا ہے آج کے دن ڈسکس کرنے کو۔'' شہباز اپنے الفاظ کو چاہ کر بھی زبان نہ دے پایا۔

''آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ ہم چلے تو دیکھا کہ ایک آدمی لیٹا ہوا ہے اور ایک شخص لوہے کے آنکڑا سے اس کی باچھوں کو گدی تک چیرتا ہے، ایک طرف سے اس کا منہ چیر کر جب دوسری طرف سے چیرنے لگتا ہے پہلا چیرا ہوا درست ہوجاتا ہے۔اسی طرح باربار چیرتا ہے اور پھر درست ہوجاتا ہے۔''

''میں نے پوچھا یہ کون ہیں؟'' مجھ سے کہا گیا ابھی اور آگے چلیے۔''

''ماما اس شخص کو ایسا عذاب کیوں دیا جارہا تھا؟'' عمیر نے گفتگو میں پھر مداخلت کی، زرگل اس کے اوتاؤلے پن کو بخوبی سمجھ رہی تھی، اچٹتی سی نظر غصے سے لال ہوتے شہباز پر ڈالی اور پھر مخاطب ہوئی۔

''آپ ﷺ اسی طرح پانچ لوگوں سے ملے، آخر میں آپ ﷺ نے اس ساتھ چلنے والے سے حقیقت حال دریافت فرمائی تو باقی سب کے متعلق بتاتے ہوئے اس شخص نے بتایا کہ... وہ شخص جس کا جبڑا چیرا جارہا تھا وہ آدمی ہے جو جھوٹ بولتا پھرتا ہے یہ برتاؤ اس کے ساتھ قیامت تک جاری رہے گا۔'' زرگل شہباز کے چہرے کے اتار چڑھاؤ کو دیکھ اور سمجھ رہی تھی، مسکراتے ہوئے دایاں ہاتھ آگے کرکے پھیلایا۔

’’آج ہم سب کو وعدہ کرنا ہو گا کہ کچھ بھی ہو جائے ہم جھوٹ نہیں بولیں گے سوائے اشد ضرورت کے وقت...‘‘ عمر اور عمیر نے بلا تاخیر اپنے ہاتھ ماں کے ہاتھ پر رکھے۔

’’ہوں...‘‘ زرگل نے شہباز کو متوجہ کرنے کے لیے ہنکارا بھرا تو اس نے بھی بے دلی سے اپنا ہاتھ بچوں کے ہاتھ پر رکھ دیا۔تشکر کے آنسو بے اختیار سے ہو کر آنکھوں کے کنارے بھگو گئے۔

’’تم نے بچوں کو ایسی باتیں کیوں بتائیں جو انہیں خوف میں مبتلا رکھیں گی۔‘‘ رات سوتے وقت شہباز نے زرگل کو مخاطب کیا۔

’’ایک ماں ہونے کے ناطے میرا فرض ہے کہ انہیں صحیح غلط کی پہچان کرا سکوں۔‘‘ پرسکون سا جواب موصول ہوا۔

’’تمہارے کہنے کا مطلب ہے میری ماں نے میری پرورش ٹھیک طرح سے نہیں کی...‘‘ حیرت میں ڈوبے الفاظ زرگل کے چہرے پر تناؤ بکھیر گئے، تنے ہوئے چہرے کے ساتھ شہباز کو دیکھا۔

’’اس گفتگو میں آپ کی ماں کہاں سے آ گئیں؟‘‘

’’میری جھوٹ بولنے کی عادت پر تم میری ماں کو الزام دے رہی ہو۔‘‘

’’پلیز... اس بات کو اتنا مت کھینچیں۔‘‘

’ ’تو کتنا کھینچوں...؟‘ ‘

’ ’آپ جانیں آپ کی ماں جانیں۔میں سو رہی ہوں۔“

’ ’ایک بات یاد رکھنا۔میری ماں میری جھوٹ بولنے کی عادت میں انوالو نہیں ہیں۔“ ایک ایک لفظ چبا چبا کر ادا کیا گیا۔

زرگل چپکے سے مسکرادی، شہباز آج بھی اپنوں سے جڑا ہوا تھا یہ بات کتنی دلچسپ تھی۔اسے آج بھی وہ دن اچھی طرح یاد تھا۔جب شادی کے محض ایک ہفتے بعد شہباز کے گھر والوں نے شہباز کو اس کے والد کی طرف سے ملنے والے حصے کے پیسے دے کر جتنی جلدی ہوسکے۔اس گھر کو چھوڑ دو کا نوٹس دیا تھا۔کافی دیر تک وہ کچھ بول ہی نہیں پایا تھا، محبت کو پالینے کے بعد ان اپنوں کو کھونا اس کے لیے کتنا مشکل تھا۔یہ صرف وہی جانتا تھا۔ایک چپ نے اس کی ذات کا احاطہ کرلیا۔اپنا گھر لے کر وہ شفٹ ہوگیا مگر وہ چپ نہ ٹوٹی، رفتہ رفتہ وہ نارمل ہونے لگا زرگل کو لگا اس کی محبتیں رنگ لے آئیں۔

اسے نہیں پتا تھا کہ محبتیں نہیں بلکہ جھوٹ کی دنیا ہے جس میں وہ روز بروز مگن ہوتا جارہا ہے، عمر اور عمیر اب بڑے ہورہے تھے، شہباز کی عادت آخر کب تک مخفی رہتی، زرگل اس فکر میں گھلنے لگی اور بالآخر آج وہ جھوٹ کو کہیں پیچھے چھوڑ

چکا تھا، زندگی کے یہ اتار چڑھاؤ اس کے دل سے اپنوں کی محبتوں کے نقش نہ مٹا پائے۔

زرگل نے حق تعالی سے شہباز کے اپنوں کے دل میں نرمی پیدا فرمانے کی التجا کی اور آنکھیں موند لیں۔

' 'مسٹر شہباز...'' آفس میں کام کرتے شہباز کے کانوں میں باس کی برہمی سے بھرپور آواز گونجی۔

' 'یس سر...!'' شہباز فورًا الرٹ ہوا۔

' 'آپ آفس کیا کرنے آتے ہیں؟' '

' 'سر ظاہر ہے کام کرنے' ' ...

' 'پچھلے ایک ہفتے کے دوران کوئی ڈھنگ کا کام بتاؤ جو تم نے کیا ہو؟'' باس ہر لحاظ کو بالائے طاق رکھتے گرمی پر اتر آئے۔

' 'وہ... میں' ' ...

' 'کیا وہ میں؟ دیکھو مسٹر شہباز ٹھیک سے کام کیا کرو ورنہ مجبورًا مجھے کوئی ایکشن لینا پڑے گا۔''

’’سوری سر! میری وائف کی طبیعت ٹھیک نہیں رہتی اس لیے میں تھوڑا پریشان رہا ہوں مگر آئندہ آپ کو شکایت کا کوئی موقع نہیں دوں گا۔‘‘ باوجود ضبط کے زبان نے اپنا جوہر دکھا ڈالا۔

’’کیا ہوا انہیں؟‘‘ سر کے تنے اعصاب لمحوں میں ڈھیلے پڑگئے۔

’’موسم کے اتا چڑھاؤ کے باعث بخار میں مبتلا ہے۔‘‘ ایک کے بعد دوسرا جھوٹ بولا گیا۔

’’اوکے... آپ جلدی چلے جایئے، وہ پریشان ہوں گی۔‘‘

’’جی سر!‘‘ باس کے جاتے ہی وہ کرسی پر ڈھے سا گیا۔

پچھلے کئی دنوں سے خود سے لڑتے لڑتے بالآخر وہ پھر سے اسی ڈگر پر چل نکلا تھا جس پر نہ چلنے کی اس نے کتنی کوشش کر ڈالی مگر سب کچھ دھرا رہ گیا، وہ اپنے آپ کو نہ روک پایا۔

’’کیا ہوا نصف بہتر؟‘‘ کچھ اندر کے چور نے مشکوک انداز اپنایا، کچھ گھر میں خاموشی کا اثر تھا، شہباز کی سوچ یک لخت الٹ چلنے لگی، کہیں زرگل کو پتا تو نہیں چل گیا، اس کے آج کے کارنامے کا۔

’’باس...‘‘ باس کی ہمدرد طبیعت کو سوچتے ہوئے اسے جھرجھری سی آگئی کہ کہیں انھوں نے واقعی بتا تو نہیں دیا زرگل کو۔

’ ’کچھ بھی ٹھیک نہیں چل رہا۔‘‘ مغرب کی نماز ادا کرکے آتے اپنے دونوں بیٹوں کو دیکھتے ہوئے زرگل متفکر سی آواز میں بولی۔

’ ’میں سمجھا نہیں!‘‘ اندر کی الجھن چھپائے وہ نا سمجھی سے بولا تھا، دونوں بیٹوں نے سلام کیا، شہباز نے جواب دیا جبکہ زرگل خاموش رہی۔

’ ’آپ نہیں جانتے ہمارے بیٹے کتنے شریر ہوگئے ہیں۔‘‘ شہباز کے اندر تک یک لخت سکون سا اترا۔

’ ’اب کیا کیا انھوں نے...‘‘ ذرا سے فاصلے پر بیٹھے بیٹوں کو دیکھتے ہوئے اس نے پوچھا تھا جو آج کچھ سنجیدہ سے تھے۔

’ ’کیا...؟ آپ یہ پوچھیں کہ آج تک انہوں نے کیا نہیں کیا‘ ‘ ...

’ ’کبھی یہ دونوں پاس والی فزاء ہاشمی کے گھر شرارت کرنے پہنچ جاتے ہیں تو کبھی نکڑ والی سلمٰی آپا شکایت لیے چلی آتی ہیں کبھی محلے کے بچوں کو تنگ کرتے ہیں۔ابھی کل کی بات لے لیں۔فروا ڈائجسٹ پڑھتے ہوئے کافی کا مگ تھامے جیسے ہی لان میں لگے جھولے پر بیٹھی دھڑام سے نیچے گر گئی‘کافی نے سارا ڈائجسٹ پڑھنے کا مزا کرکرا کردیا۔وہ نا سمجھ جان ہی نہ پائی کہ جھولے کے پیچ میرے لاڈلوں نے ڈھیلے کردیئے تھے۔میں بھی ناں جان پاتی اگر ان کی باتیں نہ

سنتی تو... اور آج تو غضب ہوگیا۔" زرگل نے سر دونوں ہاتھوں میں گرالیا۔عمیر اور عمر کی نظریں جھک گئیں۔

' "کیا ہوا؟" شہباز کو دھڑکا سا لگا کہ کہیں کچھ غلط تو نہیں ہوگیا۔

' "شہباز میری ماں نہیں تھیں پر آپ کی ماں نے بھی دامن چھڑا لیا... بچوں کی پرورش کرنے میں کتنی دشواری ہورہی ہے مجھے اور میں اب ہار رہی ہوں۔" دو آنسو زرگل کی موٹی سیاہ آنکھوں سے نکل کر گلابی رخساروں پر آن ٹکے۔

' "ہمیں نہیں ہارنا... ہم وہ ستون ہیں جن کے سہارے ہمارے بیٹوں کی زندگیوں میں بہار آئے گی۔" ٹھہر ٹھہر کر کہتے ہوئے شہباز نے اس کے آنسو انگلیوں سے صاف کئے' زرگل نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔

' "ہمیں مضبوط بننا ہے۔" شہباز کا انداز حوصلہ دیتا ہوا محسوس ہوا۔

' "سوری ماما! ہم کبھی شرارت نہیں کریں گے۔" دونوں نے کان پکڑ کر معافی مانگی' زرگل کے آنسوئوں نے انہیں آج حقیقت میں شرمندہ کردیا تھا۔

' "اٹس او کے! میں تم سے کبھی ناراض رہ سکتی ہوں بھلا۔" زرگل مسکرا دی شہباز نے پر اطمینان مسکراہٹ سے اسے دیکھا۔جو ہر غلطی منٹوں میں بھول جاتی تھی۔بے اختیار اپنے انتخاب پر فخر سا محسوس ہوا تھا۔

' "سنا ہے اپریل فول بنانے کا

رواج بڑھ گیا اتنا کہ
عمر' ادب' لحاظ اور مروت
سب پیچھے رہ گئے ہیں
زندگی سے کھیل کر "مذاق" کہہ گئے ہیں
سڑک کے کنارے
لاٹھی کے سہارے
چلتے ایک بوڑھے بابا سے
وجہ پوچھی مایوسی کی
دیگر خستگی کا جہان آباد تھا ان آنکھوں میں
لرزتے کانپتے وجود کو گھسیٹتے ہوئے
برسنے کو بے تاب آنکھوں کو سنبھالے
گویا ہوئے کچھ اس طرح
'چھ برس انتظار کیا' بچھڑے بیٹے سے ملنے کا
آج فون آیا' صبح کی فلائٹ سے
بچھڑا جگر کا ٹکڑا مجھ سے ملے گا
بوڑھی ہڈیوں میں جوش سا بھر گیا

جلدی سے پہنچا ایئرپورٹ
کھڑے کھڑے اب مایوس بڑھنے لگی تو
کال کی اور پوچھا تو
پتا چلا کہ
مجھے اپریل فول بنایا گیا
ارمانوں سے کھیل کر
زندگی کو بے مول کیا گیا‘ ‘
بوڑھے بابا اتنا کہہ کر گر پڑے
تڑپے اور زندگی ہار گئے
میں زندگی سے موت تک کے تماشے کو کیا نام دوں
سنا ہے زندگیاں کئی لوٹ لیں اس تماشے نے
بناکر کھیل رکھ دیا ہے اس نے آدمی کو
کبھی فرصت ملے تو دل سے پوچھ لینا
اپریل فول بنا کر کیا ملتا ہے
کیا ملتا ہے؟

آج کی صبح زرگل کھلی کھلی سی تھی اور یہ شادابی شہباز کے جھوٹ چھوڑنے کی نہ تھی بلکہ اپریل فول نہ بنانے کی تھی۔اپریل فولِ بنانا بھی جھوٹ ہی ہوتا اور زرگل کو یقین تھا کہ وہ ایسا نہیں کرے گا مگر ابھی اطمینان سا نہ تھا اس لیے جھجکتے ہوئے استفسار کیا۔

''آپ کسی قسم کا ''مذاق'' تو نہیں کریں گے ناں...'' کھڑکیوں کے پردے اتارتے ہوئے یہ بات کرتی وہ کافی زیادہ پریشان ہوئی کہ اسے یہ بات کرنی بھی چاہیئے یا نہیں۔

''کاہے کا مذاق بیگم؟'' دل کا چور ذرا سا چیخا کہ وہ آج ایسا کچھ نہیں کرے گا اور انجان بننے کی بھرپور ایکٹنگ کی۔

''اپریل فول بنانے کا۔'' سلک کے بھاری پردے تھامتی وہ اسٹول سے اتری۔

''کیا تم بھی... میں جو کام چھوڑدوں اسے دوبارہ نہیں کرتا۔'' کتنا اطمینان تھا آواز میں۔ضمیر کی پکار بے دردی سے کچل کر وہ مسکرادیا۔بھلا جھوٹ بولنا چھوٹا ہی کب تھا جو اب وہ چوکتا' چند دن کتنے صبر آزما تھے۔جب وہ جھوٹ کو چھوڑنے کا تہیہ کرچکا تھا اور پھر جب وہ دوبارہ جھوٹ کی بھول بھلیوں میں کھویا تو یہ وعدہ بھی کہیں کھو سا گیا کہ وہ جھوٹ نہیں بولے گا۔بس ذرا سی احتیاط برت

کر وہ پھر سے اس ڈگر پر چل نکلا تھا کسی بے راہ مسافر کی طرح۔کسی بے ایمان عاشق کی طرح،کسی فریبی کی طرح وہ بھی بھول گیا تھا اپنے وعدے اپنے عہد اپنی ذات کو۔یاد رہا تو صرف اتنا کہ جھوٹ ہی زندگی ہے اور کچھ نہیں۔

موت کو جھوٹ سمجھ کر گزاری
زندگی آخری لمحے جب ہاری

☆☆☆☆☆☆

''کیا بات ہے بھئی... کیوں مسکرایا جارہا ہے؟'' دانیال نے سیٹی بجاتے شہباز کو ٹوکا تو وہ جی بھر کے بدمزہ ہوا۔

''میری خوشی تم کو ہضم کہاں ہوتی ہے۔'' بظاہر خائف سا ہوتا شہباز مسکرایا۔

''بتائو ناں...؟'' ابرو کی جنش سے اس نے اصرار کیا تو شہباز سنجیدہ ہوا۔

''میری بائیک خراب تھی ٹیکسی پکڑ کر ابھی ابھی پہنچ رہا ہوں۔''

''کیا یار... میں کچھ پوچھ رہا ہوں اور تم کچھ بتا رہے ہو۔'' دانیال جھنجلا سا گیا۔

''ہمیشہ بے صبرے رہنا... میں یہ کہہ رہا تھا کہ پانچ سو کا نوٹ صبح صبح دیکھ کر ٹیکسی ڈرائیور منہ بگاڑتے ہوئے چھٹا لینے چلا گیا۔موبائل فون سیٹ پر پڑا تھا۔

کال آئی تو طبیعت ذرا سی مچلی اور جھوٹ داغ دیا۔" شہباز کا چہرہ فتح کے احساس سے چمک اٹھا۔دانیال نے اس کا فون ٹیبل سے اٹھایا اور آن کرنے لگا۔

' 'تمہارے موبائل پر؟' '

' 'نہیں یار! ٹیکسی ڈرائیور کے موبائل پر... میں نے فون اٹھایا تو اس کے گھر سے کال تھی۔اس کی بیوی کو بس اتنا بتایا کہ "آپ کی ٹیکسی کا ایکسیڈنٹ ہوگیا ہے۔" مت پوچھو یار پھر کیا ہوا۔" شہباز کے قہقہے پر دانیال نے منہ بنایا۔"بنا کچھ پوچھے ہائے ہائے کرتی دھڑا دھڑ رونے لگی۔" ہنسی کے دوران شہباز نے مزے سے بتایا تو دانیال کسی کا نمبر پریس کرنے لگا۔

' 'بندہ پوچھ تو لیتا ہے کہ کیا ہوا۔" شہباز بے وقوف بنا کر بڑا خوش ہورہا تھا۔دانیال نے موبائل فون کان کو لگایا۔

' 'کسے کال کررہے ہو؟" دوسری بار بھی کال پک نہ کی گئی تو شہباز کی توجہ دانیال کے ہاتھوں میں موجود اپنے موبائل سیٹ پر گئی۔

' 'تمہیں شاک دینا اچھا لگتا ہے ناں... شاک کیا ہوتا ہے اس بات سے تمہیں روشناس کرارہا ہوں، شاید کچھ عقل آجائے۔" دانیال کی بات پر شہباز نے ناسمجھی سے اسے دیکھا تھا، اس سے پہلے کہ وہ پوچھتا کال پک کرلی گئی۔دانیال نے عجلت بھرے انداز میں اسپیکر آن کیا اور بات کرنے لگا۔

’’بھابی میں دانیال بات کررہا ہوں۔بھابی شہباز جس ٹیکسی میں تھا اس کا ایکسیڈنٹ ہوگیا۔‘‘ سیڑھی پر قدم قدم سہم کر چلتی زرگل کی آنکھوں میں ایک دم اندھیرا چھا گیا، پردوں پر گرفت ڈھیلی پڑی اور ساری سیڑھیوں پر ملائم سلک کا کپڑا پھیل گیا۔چھت کی طرف جاتے قدم لمحے میں ڈگمگائے اور فضا میں زرگل کی چیخیں گونج گئیں۔

’’زرگل... زرگل... با... ت... ک...‘‘ پانی ہوتی آنکھوں کے ساتھ اس نے دانیال کو دیکھا تھا، صبح پردے اتارتی زرگل کا چہرہ جھٹ آنکھوں میں آگیا اور شہباز کو یہ بات سمجھنے میں ذرا دیر نہ لگی کہ زرگل سیڑھیوں سے گرچکی ہے، انتہائی عجلت سے وہ آفس سے نکل کر بھاگا، دانیال بھی اس کے پیچھے بھاگا تھا۔ دانیال کی بائیک پر جب وہ دونوں گھر پہنچے تب تک زرگل کا کافی خون بہہ گیا تھا، اسپتال لانے تک شہباز کی آنکھیں کتنی بار چھلکیں، دانیال نے خود کو کتنی بار کوسا یہ دونوں دوستوں کا مشترکہ غم تھا، دانیال شرمندہ تھا اور شہباز کو یہ خوف دہلائے جارہا تھا کہ آج وہ زرگل کو کھودے گا۔

ڈاکٹروں نے معائنے کے بعد کوئی امید افزاء بات نہ کی، سر پر چوٹ لگنے اور کافی زیادہ خون بہنے کے سبب زرگل کا بچنا مشکل ہوگیا۔دانیال کے بے حد اصرار پر شہباز نے کانپتے ہاتھوں سے سالوں بعد گھر کا نمبر ڈائل کیا۔دوسری طرف اماں

جی کی آواز سن کر ضبط کے سارے بندھن ٹوٹ گئے، روتے روتے ٹوٹے ہوئے جملوں میں زرگل کی حالت کا بتا کر کرسی پر ڈھیر ہوگیا۔دانیال کو اس کی اس حالت پر پچھتاؤں نے مزید جکڑا تھا۔

آدھے گھنٹے میں امی جان، اماں جی، بابا اور گھر کے سبھی افراد اسپتال میں موجود تھے۔اپنوں کی جھلک دیکھ کر آنسوؤں کے سمندر میں طغیانی آگئی، ہر فرد سے لپٹ لپٹ کر ایسا رویا کہ ہر آنکھ اشک بار ہوگئی۔

''امی جان! زرگل مجھے لوٹادیں... میں... میں اس سے معافی مانگ لوں گا... آپ مجھے لوٹادیں۔'' ہاتھ باندھے بے ربط جملوں کے بیچ بکھر بکھر جاتے شہباز کو امی جان نے اپنے ساتھ لپٹا لیا۔

''بیٹا! تم زرگل کی سانسوں کی بھیک اللہ سے مانگو، اخلاص کے ساتھ مانگو، بے ریا اور کھوٹ سے پاک دل اللہ کے دربار میں اپنی دعا پیش کرتے ہیں تو اللہ انہیں ان کے اخلاص کے اجر کے طور پر عطا کردیتا ہے۔'' امی جان کی باتیں لمحہ لمحہ اس کے اندر آگہی کے در وا کرتی گئیں۔دل میں رحیم کے رحم کی امید سی جاگی تو وہیں اس مہار کے قہر کا نشانہ بن جانے پر پورے بدن میں کپکپی دوڑ گئی۔ تقدیر اور اس کے فیصلوں میں اپنے حساب سے جھوٹ کی آنچ دے کر جو لذیز سی زندگی جی جارہی تھی۔ایک دم اس لذیز سی زندگی میں جھوٹ کی آنچ بھڑک

کر شعلے کی شکل اختیار کر گئی۔ایسے شعلے کی جو کسی بھی لمحے لپک کر زندگی کی ہر لذت کو مٹا وختم کردیتا ہر بھرم کو، چھین لیتا ہر رعنائی کو، اس رہنمائی کو جسے شہباز آتی جاتی سانسوں میں محسوس کرتا تھا۔

ایک، دو، تین... گھنٹے بیت گئے، گھنٹے دنوں میں بدلنے لگے پر زرگل کو ہوش نہ آیا۔بچے اپنے دھیال چلے گئے، کوئی نہ کوئی ہر لمحہ اسپتال میں شہباز کے ساتھ ہوتا وقت گزرنے کے ساتھ زرگل کو کھونے کا یقین بڑھنے لگا۔

دعائیں مانگتے، گریہ وزاری کرتے وہ اپنے آپ سے غافل سا ہونے لگا، یاد رہا تو صرف اتنا کہ اللہ کے حضور میں خالی دامن لیے وہ ایسا سوالی ہے جس کے کردار کا کوئی بھی پہلو امید کا دیا روشن نہ کرسکا کہ وہ بھی مسلمان تھا، ہے، رہے گا، کھوکھلی سی آواز، ندامت کا شدید احساس، اللہ سے رحم کی بھیک مانگتا وہ عاجز بندا بن گیا۔

سولی پر ٹنگے مہینہ بیت گیا، زرگل کی حالت جوں کی توں تھی۔اس ایک مہینے کے دوران شہباز نے لاتعداد بار اپنے گناہوں کی معافی مانگی، اپنے آپ سے عہد کیے، اللہ سے ان وعدوں ان عہدوں پر قائم رہنے کی فریاد کی۔دانیال اس سے نظریں چرائے پھرنے لگا، اسے اپنی غلطی پر شرمندگی تھی، شہباز کے بدل جانے پر دل ہی دل میں دعا کرتا کہ پالنے والا اس کے دوست کی عبادتوں، دعاؤں کو خالی ہاتھ

نہ لوٹائے، اس کے کشکول میں زرگل کی حیاتی لکھ دے، اس کا ساتھ لکھ دے، امید کا دامن تھامے دونوں دوست صبر کرنے پر مجبور تھے، اللہ کے دربار میں گڑگڑانے پر مجبور تھے اس یقین کے ساتھ کہ وہ انہیں دے گا، ہر حال میں نوازے گا۔

چالیس دنوں کے بعد بالآخر زرگل نے آنکھیں کھول دیں، اللہ تعالیٰ نے شہباز کی دعائیں مسترد نہ کیں، ستر ماؤں سے بڑھ کر محبت کرنے والے نے اس کو نواز دیا، چھوٹی سی غلطی پر ماں اپنے بچے کو ڈانٹتی ہے، سزا دیتی ہے، کچھ وقت گزرنے کے بعد اپنے نرم نرم لمس سے اسے یہ احساس دلادیتی ہے کہ وہ اسے معاف کرچکی ہے، اللہ کے بندے پر بھی تو اللہ کا حق ہے ناں کے اللہ اسے تھوڑی سی سزا دے اسے یہ احساس دلائے کہ وہ غلط تھا اور واپس پلٹنے پر اسے معافی سے نوازدے۔

شہباز نے شکرانے کے نوافل ادا کیے اس دوران بیڈ پر لیٹی زرگل حیرت سے اس کی ایک ایک حرکت کو دیکھتی رہی، دعا کے لیے شہباز نے جیسے ہی ہاتھ اٹھائے، تشکر کے احساس سے آنکھیں چھلک پڑیں۔

’’بھابی مجھے معاف کردیں... میں بس اتنا چاہتا تھا کہ شہباز سدھر جائے، مجھے نہیں پتا تھا کہ میرا مذاق آپ کی ذات کو ناقابل تلافی نقصان سے دوچار کردے

گا۔" دانیال کو جیسے ہی ڈاکٹر نے اطلاع دی جھٹ کمرے میں آگیا، شہباز کو دعا مانگتا دیکھ کر وہ نظر انداز کرتا زرگل سے مخاطب ہوا جو حیرت سے پھٹی پھٹی آنکھوں کے ساتھ شہباز کو تکے جارہی تھی۔

'یہ... بدل... گئے... ہیں...؟" یقین اور بے یقینی کی کیفیت سے نکلتے ہوئے ٹوٹا پھوٹا سا جملہ زرگل نے ادا کیا۔

'بالکل بھابی! بدلا ہی نہیں بلکہ اللہ کی رحمت کو مانگنے کا سلیقہ بھی جان لیا ہے آپ کے میاں جی نے۔" اب کی بار شوخی سے بات کرتے بات کرتے دانیال نے دعا سے فارغ ہوکر اپنی طرف آتے شہباز کو دیکھ کر دائیں آنکھ کا کونا دبایا تو شہباز بھی بھیگی پلکوں سے مسکرادیا۔

'ہاں وہ تو میں دیکھ رہی ہوں۔" ایک ہلکی سی اطمینان بھری مسکان نے زرگل کے لبوں کا احاطہ کرلیا۔

'آپ باتیں کریں میں چلتا ہوں، گھر فون کردیا ہے، آتے ہوں گے وہ لوگ۔" دانیال اٹھ گیا تو زرگل نے شہباز کی طرف دیکھا تھا، اجڑا، بے ترتیب سا حلیہ، شیو بڑھی ہوئی، سر پر ٹوپی... وہ اس لمحے کتنا الگ سا لگ رہا تھا۔

'میرے بچے کہاں ہیں؟" زرگل کے الفاظ وانداز میں اپنے بچوں کے لیے بے پناہ محبت سمٹ آئی۔

''اپنے دادا دادی کو ستا رہے ہوں گے، وہ بھی تو تم سے نالاں تھے ہر وقت چخ چخ۔''

''میں چخ چخ کرتی ہوں؟'' پہلے جملے پر غور کیے بناء زرگل حیرانی سے بولی تھی۔

''اور نہیں تو کیا۔'' شہباز اس کی حالت پر حظ اٹھا رہا تھا۔

''میں گارنٹی سے کہتی ہوں اگر اب تک کسی نے انہیں سنبھالنے کا بیڑا اٹھا رکھا ہوگا تو وہ بھی میری طرح نالاں ہوگا۔'' انداز میں خفگی سمٹ آئی۔

''بالکل بھئی یہ کام ہماری بہو کو سوٹ کرتا ہے کہ وہ اپنے شریر بچوں کو سنبھالے، بھئی ہم تو ہاتھ جھاڑتے ہیں ایسی ذمہ داری سے۔''

''امی جان آپ...'' زرگل حیرانی سے انہیں دیکھنے لگی، اٹھنے کی ناکام سی کوشش کرکے پھر سے بستر پر گر سی گئی۔

''رہنے دو بہو! تم آرام کرو میں ہوں ناں، اب سے میں اور تمہارے بابا تم لوگوں کے ساتھ رہیں گے، ان بدمعاشوں کو سنبھالنے کی ذمہ داری اب سے میرے کندھوں پر۔''

امی جان کی بات پر زرگل کی آنکھوں کے کنارے بھیگ گئے، بے اختیار پالنے والے کو پکار کر فریاد کی کہ یہ خوشی سدا اس کے ساتھ رہے، سالوں بعد خوشیوں

نے دروازے پر دستک دی تھی، شکر ادا کرنا فرض تھا۔وہ ان خوشیوں سے اپنے آنگن کی زمین سیراب کرنا چاہتی تھی اور اللہ نے اس کی سن لی تھی۔

اختتام